# اشتراکیت اور اسلام

(۲)

(از جناب محمد مظہر الدین صاحب صدیقی بی-اے)

## اشتراکی تحریک کی مختصر تاریخ!

یورپ میں اشتراکیت کی ابتداء ایک جامع اور منظم تحریک کی حیثیت سے ہوئی جب ۱۸۴۸ء میں مارکس اور اینجلس نے مل کر وہ مشہور اعلان مرتب کیا جسے اشتمالی منشور (Communist Manifesto) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس سے قبل فرانس میں سینٹ سائمن (Saint Saimon) اور فوریر (Fourier) جیسے مفکرین اشتراکی عقائد کی تبلیغ کر رہے تھے۔ اگرچہ ان کا کام زیادہ تر نظری تھا اور اس کا دائرہ اثر بھی بہت محدود تھا۔ انگلستان میں رابرٹ اوین (Robert Owen) نے سب سے پہلے اشتراکی خیالات کو عمل کا جامہ پہنانے کی کوشش کی۔ اوین خود سرمایہ داروں کے طبقہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن اسے مزدوروں کے ساتھ بڑی ہمدردی تھی۔ اس نے چند اور سرمایہ داروں کے ساتھ مل کر گلاسگو شہر کے نزدیک نیو لینارگ (New Lanark) کی بستی میں ایک کارخانہ خریدا اور اس میں مزدوروں کی حالت درست کرنے کا کام شروع کیا۔ اس نے تمام مزدوروں کو ایک جگہ بسا دیا۔ اتحادی دکانیں کھولیں جن سے وہ اپنی ضروریات کے لئے سامان خرید سکتے تھے۔ اس نے مزدوروں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا اور ان کے کام کے اوقات دیگر کارخانوں کے مقابلہ میں بہت کم کر دیئے۔

یہ تجربہ نہایت کامیاب ثابت ہوا اور اوین کی سرپرستی میں لینارک کے مزدوروں کی حالت بہت سدھر گئی لیکن بعض اختلافات کی وجہ سے اسے یہ کام چھوڑنا پڑا۔ اس نے اس قسم کے دو چار تجربے اور بھی کئے اور کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوا لیکن اوین کے کام کا دائرہ بہت محدود تھا اور اس میں بھی اسے بڑے مخالفتوں کا

سامنا کرنا پڑا۔

اس دور کے اشتراکیوں میں لوئیس بلانک (Louis Blanc) بہت ممتاز تھا۔ اس نے ۱۸۴۸ء میں فرانس کے اس جمہوری انقلاب میں بڑا حصہ لیا جس کے نتیجے کے طور پر لوئیس فلپ (Louis Phillips) کو فرانس کا تخت چھوڑنا پڑا۔ فوریر اور سینٹ سائمن کے برعکس جن کا دائرہ کار بہت محدود تھا۔ لوئیس بلانک نے جمہور پر اپنے خیالات کا گہرا اثر ڈالا۔ اس کا نظریہ یہ تھا کہ مزدوروں کیلئے کام فراہم کرنا حکومت کا ایک ضروری فریضہ ہے چنانچہ لوئیس فلپ کے اخراج کے بعد جو عارضی حکومت قائم ہوئی اور جس میں لوئیس بلانک بھی شریک تھا اس نے قومی کارخانے قائم کئے، جن میں مزدوروں کے لئے کام فراہم کیا جاتا تھا اور اس کام کا انہیں مقررہ معاوضہ دیا جاتا تھا۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ میں ہی قومی کارخانوں میں کام کرنے کے لئے ایک لاکھ پندرہ ہزار اشخاص کی درخواستیں جمع ہو گئیں۔ اتنی بڑی تعداد کے لئے کام دینا دشوار تھا۔ بالآخر حکومت نے اس کوشش کو خیرباد کہا اور لوئیس بلانک کی کوششیں رائگاں گئیں۔

۱۸۶۴ء میں کارل مارکس کی رہنمائی میں مزدوروں کی پہلی بین الاقوامی مجلس قائم ہوئی جسے فرسٹ انٹرنیشنل کہا جاتا ہے۔ فرسٹ انٹرنیشنل یا پہلی بین الاقوامی مجلس کے تحت یورپ کے مختلف ممالک میں اشتراکی تحریک کی تنظیم کا کام شروع کیا گیا۔ چنانچہ جرمنی کی مشہور معاشرتی جمہوری (Social Democratic) پارٹی اس زمانہ میں وجود میں آئی لیکن جرمنی میں اس پارٹی کے خلاف ایک اور طاقتور پارٹی قائم تھی جس کا رہنما لیسال (Lassale) تھا۔

لیسال اور کارل مارکس کے خیالات میں بڑا اختلاف رائے تھا جس کے نتائج بعد میں ظاہر ہوئے۔ لیسال تدریجی اصلاح کا قائل تھا اور اس کا خیال تھا کہ اشتراکیت کے لئے موجودہ طرز جمہوری حکومتوں کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ البتہ ان جمہوری حکومتوں کو صنعت و حرفت اور تجارت میں بیش از بیش مداخلت کرنی چاہیئے اور قانون سازی کے ذریعہ صنعتی نظام کو سرمایہ داروں کی گرفت سے نکال کر اپنے قبضہ میں لینا

چاہیئے۔ اس کے برعکس کارل مارکس موجود الوقت جمہوری حکومتوں کے ذریعہ اصلاح کی کوشش کو بیکار سمجھتا تھا وہ اصلاح کا نہیں بلکہ انقلاب کا قائل تھا۔ وہ کہتا تھا کہ جمہوری مملکت نظام سرمایہ داری کی وسعت پذیر ضروریات کو پورا کرنے کیلئے وجود میں آئی ہے اور سرمایہ داروں کے مفاد کی حمایت اس قسم کی حکومت کا ضروری خاصہ ہے اس کو قبول کر کے اور اس کے اندر رہ کر اصلاح کی کوشش کرنا محض تضیع اوقات ہے۔

۱۸۷۵ء میں گوتھا کانگریس (Gotha Congress) کے موقعہ پر جب جرمنی کی معاشرتی جمہوری پارٹی نے لسال کی قائم کی ہوئی پارٹی سے مصالحت کر لی اور اس کے ساتھ شریک ہو کر کام کرنے کا فیصلہ کیا تو مارکس نے اس فیصلہ پر بہت ناراضی کا اظہار کیا اور گوتھا پروگرام پر اس نے جو تبصرہ لکھا اس میں جمہوری معاشری پارٹی کی ارتقائی اشتراکیوں سے مصالحت کو مذموم ٹھہرایا، کیونکہ مارکس کے خیال میں ان لوگوں کا ساتھ دینا جو جمہوری نظام کو قائم رکھ کر تدریجی اصلاح کے ذریعہ اشتراکیت قائم کرنا چاہتے ہیں، درحقیقت اشتراکیت کے قیام پر ایک کاری ضرب لگاتا ہے۔

فرسٹ انٹرنیشنل کے تحت فرانس میں بھی اشتراکی تحریک کو منظم کرنے میں مارکس کے پیروؤں کو مخالفت زیادہ تر پرودھان (Proudhen) اور بلانکی کے حامیوں کی طرف سے عمل میں آئی۔ پرودھان نراج کا حامی تھا اور بلانکی کے خیالات اور مارکس کے نظریات میں خاص فرق یہ تھا کہ بلانکی انقلاب برپا کرنے کیلئے عام مزدوروں میں طبقاتی شعور کی ضرورت کا قائل نہ تھا اس کا خیال تھا کہ اگر مزدوروں میں انقلاب کی خواہش نہ بھی ہو۔ تب بھی ایک مختصر مگر قوی جماعت انقلاب پیدا کر سکتی ہے اس کے برخلاف مارکس کی رائے یہ تھی کہ انقلاب اس صورت میں کامیاب ہو سکتا ہے جب جمہور اور عام مزدوروں کے اندر سرمایہ داروں کے مقابلہ میں طبقاتی بیگانگت کا شعور پیدا ہو جائے اور وہ انقلاب کو اپنی فلاح کے لئے ضروری خیال کرنے لگیں۔

فرسٹ انٹرنیشنل کے انتہائی عروج کا زمانہ وہ تھا جب پرشیا والوں نے نپولین سوم کو سیڈان (Sedan) پر شکست دی اور فرانس میں جمہوری انقلاب برپا ہوا۔ اس کے بعد فرسٹ انٹرنیشنل

کا زور کم ہو گیا۔ سنہ ۱۹۰۱ء میں مزدوروں کی دوسری بین الاقوامی مجلس یعنی سیکنڈ انٹرنیشنل قائم ہوئی اور اس میں تمام ممالک کے مزدور نمائندوں نے حصہ لیا۔ اس زمانہ میں روس کے اشتراکیوں پر بہت مظالم ڈھائے جا رہے تھے اور ان کے اکثر رہنما ملک سے باہر جلا وطن کر دیئے گئے تھے۔ اس لئے روسی اشتراکیوں کو اپنی تحریک روس سے باہر رہ کر چلانی پڑتی تھی۔

روس میں اس وقت تین پارٹیاں تھیں۔ معاشرتی انقلابی پارٹی (Social Revolutionary Party) تعداد میں سب سے زیادہ تھی۔ اس کے ارکان زیادہ تر روس کے کسان تھے لیکن چونکہ کسان ملک میں دور دور منتشر تھے اس لئے اس پارٹی میں تنظیم کی کمی تھی۔ دوسری پارٹی بالشویکوں کی تھی جو بڑے بڑے شہروں کے مزدوروں پر مشتمل تھی اور اس لئے تنظیم اور مرکزیت کے اعتبار سے بہت زیادہ قوی تھی۔ تیسری پارٹی منشویکوں کی تھی۔ یہ لوگ بھی اپنے کو کارل مارکس کا پیرو کہتے تھے لیکن ان میں انقلابی سپرٹ بہت کم تھی۔ دراصل یہ پارٹی جرمنی کی معاشرتی جمہوری پارٹی کی ہم مسلک تھی اور موجود الوقت جمہوری نظام کے اندر رہ کر تدریجی اصلاح کا کام کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے حقیقتاً اس پارٹی کو مارکس کے خیالات سے کوئی تعلق نہ تھا۔

**روسی انقلاب** ہم بتا چکے ہیں کہ جنگ عظیم سے قبل روس میں تین اشتراکی پارٹیاں قائم تھیں۔ یہ تینوں پارٹیاں روسی شہنشاہیت سے بیزار تھیں اور ملک میں ایک ایسا نظام قائم کرنا چاہتی تھیں جس میں عوام الناس، مزدوروں اور کسانوں کی حالت سدھاری جا سکے۔ اس زمانہ کی روسی شہنشاہیت سرمایہ داروں کے مفاد کی حامی اور عوام کے معاشی مصائب سے بے پروا تھی۔

روس میں نظام سرمایہ داری یورپ کے دوسرے ممالک کی بہ نسبت بہت دیر میں قائم ہوا اور اس کی بنیاد بہت غیر مستحکم تھی۔ بلکہ حقیقت میں جنگ عظیم تک روس میں نظام سرمایہ داری پورے طور پر قائم ہی نہ ہوا تھا۔ اس دور کا روسی نظام سرمایہ داری اور جاگیرداری کا ایک نامربوط مجموعہ تھا۔ روس کی

زیادہ تر آبادی کسانوں پر مشتمل تھی جو دور دور پھیلے ہوئے تھے۔ مزدوروں کی تعداد بہت کم تھی کیونکہ صنعتی کارخانے صرف چند بڑے شہروں تک محدود تھے۔ سرمایہ داری نظام کے مظاہر خصوصیات سے روس بڑی حد تک نا آشنا تھا متوسط طبقہ تعداد کے لحاظ سے نہ ہونے کے برابر تھا۔ ملک میں یا تو غریب مفلوک الحال کسان بستے تھے یا بڑے بڑے زمیندار اور سرمایہ دار تھے حالانکہ انگلستان اور فرانس اور دوسرے یورپی ممالک میں جہاں سرمایہ داری ترقی پذیر تھی متوسط طبقہ خوشحال، کثیر التعداد اور با اثر تھا۔

۱۹۱۷ء تک روسی آبادی جنگ سے بیزار ہو چکی تھی۔ متواتر شکستوں نے ملک میں ہر طرف بدامنی اور انتشار پیدا کر دیا تھا۔ مارچ ۱۹۱۷ء میں روس میں اچانک انقلاب برپا ہو گیا۔ یہ انقلاب اتنی سرعت کے ساتھ اور ایسے غیر متوقع طور پر ہوا کہ خود انقلابی اس کے لئے تیار نہ تھے ۸ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیٹرو گراڈ کے کارخانوں کی مزدور عورتوں نے ہڑتال کر دی اس کے بعد یہ شورش بڑھتی گئی اور پھیلنے لگی یہاں تک کہ ۱۵ مارچ کو زار نکولاس دوم تخت سے دستبردار ہو گیا اور کیرنسکی (Kerensky) کے تحت ایک عارضی حکومت قائم ہو گئی۔

یہ عارضی حکومت اعتدال پسند اشتراکیوں پر مشتمل تھی۔ ادھر ملک کا یہ حال تھا کہ ہر طرف سے صلح کا مطالبہ ہو رہا تھا۔ سپاہی، مزدور، کسان سب کے سب جنگ کی سختیوں اور مصیبتوں سے تنگ آ گئے تھے۔ اس پر بھی کیرنسکی کی حکومت نے جرمنی سے صلح کرنے کی کوشش نہ کی بلکہ متحدین کے اصرار پر جرمن فوجوں پر نیا حملہ شروع کر دیا۔ یہ حملہ بالکل ناکام رہا اور اب ہر طرف ملک میں بغاوت پھیل گئی۔

بالشویکوں نے ان حالات سے فائدہ اٹھا کر بڑی دانشمندی سے ملک میں یہ پروپیگنڈا کیا کہ اگر حکومت ان کے ہاتھ آ جائے تو وہ فوراً جرمنی سے صلح کر لیں گے علاوہ ازیں انہوں نے کسانوں سے بھی وعدہ کیا کہ اگر انقلاب برپا کرنے میں وہ ان کا ساتھ دیں تو حکومت ملنے پر بڑے زمینداروں سے ان کی زمینیں چھین کر کسانوں میں تقسیم کر دی جائیں گی۔ کاشتکاروں اور کسانوں کیلئے اس سے بڑھ کر کیا ترغیب ہو سکتی تھی کہ وہ زمینوں

کے مالک بن جائیں اور جنگ کی مصیبتوں سے چھٹکارا پائیں غرضیکہ اپنے پروپیگنڈے میں بالشویکوں کو بڑی کامیابی ہوئی اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ملک کے عام مطالبہ اور صلح کی خواہش کو پورا کرنے پر تیار تھے بالآخر اکتوبر ۱۹۱۷ء کو کیرنسکی کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا اور بالشویکوں کا راج قائم ہو گیا۔

اقتدار ملتے ہی بالشویکوں نے جرمنی کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھایا اور ۱۹۱۸ء میں برسیٹ لٹوبسک کے مقام پر صلح ہو گئی۔ بالشویکوں کا بڑا لیڈر لینن تھا جس نے کیرنسکی کی اعتدال پسند اشتراکی حکومت کا تختہ الٹ کر مزدوروں کی آمریت قائم کی۔ کیرنسکی کی عارضی حکومت جمہوری تھی اور متوسط طبقہ کی تائید اور حمایت سے قائم ہوئی تھی۔ اس لئے وہ متوسط طبقہ کے خیالات اور اداروں کی حامل تھی۔ اس کے برعکس لینن نے مزدوروں کی جو آمریت قائم کی وہ متوسط طبقوں کی دشمن اور جمہوری نظام کی سخت مخالف تھی۔ اس بارے میں لینن اور جرمنی کی اشتراکی جمہوری پارٹی کے ایک ممتاز نمائندہ کارل کاٹسکی (Karl Kautsky) کے درمیان بہت تلخ اور گرم بحث ہوئی۔ کارل کاٹسکی کی یہ رائے تھی کہ اشتراکی فلسفہ کی رُو سے دیسوں کو صرف جمہوری حکومت کے قیام پر اکتفا کرنا چاہیے تھا اور مزدوروں کی آمریت اس نوبت پر قائم نہ کرنی چاہیئے تھی۔ کیونکہ مارکس کے نظریات کے مطابق مزدوروں کی آمریت اسی حالت میں قائم ہو سکتی ہے جب انتظام سرمایہ داری کا نشوونما خوب اچھی طرح ہو چکا ہو۔

مارکس کا خیال تھا کہ کوئی نظام اس وقت تک نہیں مٹایا جا سکتا جب تک عروج و ترقی کا ایک دور گزرنے کے بعد اس پر زوال طاری نہ ہو جائے۔ یہ صورت صرف انگلستان اور فرانس جیسے ممالک میں پیش آسکتی تھی جہاں نظام سرمایہ داری عروج کی منزلیں طے کر چکا تھا۔ نہ کہ روس میں جہاں اس کا قیام ہی ابھی پوری طرح عمل میں نہ آیا تھا۔ لینن کا دعویٰ یہ تھا کہ معاشی ارتقا کے جو مراتب مارکس نے معین کئے تھے روسی انقلاب ان پر پوری طرح ٹھیک اترتا ہے۔

بہر حال لینن کو عملی طور پر اشتراکی نظام کے قیام میں کامیابی ہوئی۔ لیکن یہ یاد ہے کہ خود لینن کی رائے

میں انقلاب کے بعد کا روسی نظام صحیح معنوں میں اشتراکی نہ تھا کیونکہ اشتراکیت اسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب مملکت کا وجود فنا ہو جائے اور ابھی اس کی منزل بہت دور ہے لینن کی رائے تھی کہ روس کے جدید نظام کو ریاستی سرمایہ داری (State Capitalism) سے موسوم کرنا زیادہ صحیح ہوگا۔ اس طرح خود لینن کے کہنے کے مطابق روسی اشتراکیت سرمایہ داری کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے اور اشتراکیت کا قیام ابھی بہت دور ہے

روسی اشتراکیوں نے حکومت پر قبضہ کرنے کے بعد ایک کام یہ کیا کہ مزدوروں کی تیسری بین الاقوامی مجلس یعنی تھرڈ انٹرنیشنل کے قیام کا اعلان کیا جو سیکنڈ انٹرنیشنل کا جانشین تھا۔ اس کا مقصد یہ بتانا تھا کہ روسی انقلاب دراصل اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جسے مارکس نے مزدوروں کی پہلی بین الاقوامی مجلس یا فرسٹ انٹرنیشنل قائم کرکے شروع کیا تھا۔

**اشتراکی نظریات پر ایک تنقیدی نگاہ** مارکس اور اینجلس کے مرتب کردہ اشتمالی منشور کا آغاز اس بلند آہنگ دعویٰ سے ہوتا ہے: "انسان نے اس وقت تک جتنے معاشرے قائم کیے ہیں ان سب کی تاریخ طبقاتی نزاع کی تاریخ ہے غلام اور آقا، امراء اور جمہور، سرمایہ دار اور مزدور، مختصر یہ کہ ظالم و مظلوم ہمیشہ ایک دوسرے کے مخالف اور باہم برسر پیکار رہے ہیں۔"

یہ دعویٰ منجملہ ان دعووں کے ہے جن سے اشتراکی لٹریچر بھرا پڑا ہے، لیکن جن کے ثبوت میں کوئی تسلی بخش دلیل آج تک نہیں پیش کی جا سکی۔ اشتراکیوں کے تمام فلاسفہ اور مفکرین کا ابتدا سے یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں صرف اپنے مفید مطلب باتیں چھانٹ لیتے ہیں اور جتنے واقعات ان کے نظریہ کے خلاف پڑتے ہیں انہیں یا تو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں یا ان کی غلط تاویل کرنے لگتے ہیں۔

کوئی شخص جس نے تاریخ پر غیر جانبدارانہ اور گہری نظر ڈالی ہو کبھی اس دعوے کو تسلیم نہیں کر سکتا ہے کہ انسانی معاشرہ کی تاریخ صرف طبقاتی جنگ کی تاریخ ہے۔ یہ بات درست ہے کہ طبقاتی نزاعوں نے بھی واقعات اور حالات کی تشکیل پر گہرا اثر ڈالا ہے لیکن یہ دعویٰ بالکل مہمل ہے کہ طبقاتی نزاع سے ہی انسان کی پوری تاریخ

بنی ہے قومی لڑائیوں اور جھگڑوں نے تاریخ پر طبقاتی جنگوں سے کہیں زیادہ گہرا اثر مترتب کیا ہے۔ سکندر، ہنیبال، ہلاکو خاں، چنگیز خاں، صلاح الدین ایوبی، اور بایزید نے جتنی جنگیں لڑیں، وہ طبقاتی جنگیں نہ تھیں لیکن ان کے نتائج و اثرات آج تک باقی ہیں۔ البتہ اس کا کوئی علاج نہیں ہے کہ قومی جنگوں کا سرا بھی طبقاتی لڑائیوں سے لا کر ملا دیا جائے۔ یرقان کے مریض کو دنیا کی تمام چیزیں زرد نظر آتی ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ واقعتاً زرد ہیں۔

ساری تاریخ اس دعوے کو جھٹلاتی ہے کہ امرأ اور جمہور، غلام اور آقا، مزدور اور سرمایہ دار ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہے ہیں۔ تاریخ میں جتنی قومی اور مذہبی لڑائیاں ہوئیں۔ ان سب میں امرأ اور جمہور، غلام اور آقا، مزدوروں اور سرمایہ داروں نے آپس میں مل کر اپنے حریفوں کا مقابلہ کیا اور باہمی اختلافات کو قومی اور مذہبی عزت پر قربان کر دیا۔

روما کے وہ کون شہری تھے جنہوں نے پہلے لاطینی لڑائیوں اور پھر قرطاجنہ ( Carthage ) کے مقابلہ میں داد شجاعت دی؟ کیا وہ روما کے عوام ( Plebians ) نہیں تھے جنہوں نے اشراف ( Patricians ) سے مل کر بیرونی دشمن کا مقابلہ کیا؟ عرب کی وہ افواج کن افراد پر مشتمل تھیں، جنہوں نے صحرا سے نکل کر قیصر و کسریٰ کی سلطنت کو الٹ دیا؟ کیا ان میں قریشی، انصاری، یمنی اور دیگر قبائل کے امیر و غریب یکساں شریک نہ تھے؟ جنگ عظیم میں انگلستان، فرانس اور جرمنی کے مزدوروں نے کس کا ساتھ دیا؟ اشتراکیت کے لاطائل پروپیگنڈے کے باوجود گذشتہ جنگ میں ہر ملک کے مزدوروں نے اس کے جملہ دیگر طبقوں کے ساتھ مل کر اپنی قوم کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دی۔ اور کیا موجودہ جنگ میں مزدوروں کا عمل اس سے مختلف ہے؟ کیا اس وقت جرمنی کے مزدور اپنی قوم کے لئے، انگلستان کے مزدور اپنے ملک کیلئے، اور امریکہ کے مزدور اپنی جمہوریت کیلئے خون پسینہ ایک نہیں کر رہے ہیں؟ ان واقعات سے آنکھیں پھیر لینا، صرف اپنے مفید مطلب واقعات کو استدلال میں پیش کرنا اور پھر یہ دعویٰ کرنا کہ

ساری تاریخ طبقاتی شعور واحساس کی ایک داستان مسلسل ہے۔ صرف انہیں لوگوں کا کام ہے جو جذبات کے ہیجان میں نظر کا توازن قائم نہیں رکھ سکتے۔

تاریخ کے سیاسی و مذہبی انقلابات کے متعلق اشتراکیوں کا دعویٰ ہے کہ یہ تمام انقلابات درحقیقت معاشی اسباب و محرکات سے ظہور پذیر ہوئے ہیں۔ نیز انسان کے تمام اخلاقی تصورات، مذہبی افکار اور سیاسی نظریات ان معاشی قوتوں سے ضمناً پیدا ہوئے ہیں جو تاریخی انقلابات کو وجود میں لاتی ہیں۔ اب اگر اشتراکی حضرات سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ وہ کیا معاشی اسباب و محرکات تھے جنہوں نے چھٹی صدی عیسوی میں عربوں کے اندر ایک مذہبی انقلاب پیدا کر کے انہیں وحشت و جہالت کی زندگی سے نکالا اور وقت کی عظیم ترین انقلابی اور تہذیبی قوت بنا دیا، تو فوراً جواب ملتا ہے کہ عربوں کا افلاس، ان کی معاشی بدحالی اور اقتصادی پستی اس انقلاب کا اصل باعث تھی کیونکہ انہیں باتوں نے عربوں کو مجبور کیا کہ وہ دوسرے ملکوں کو فتح کر کے اپنے لئے سامان زندگی مہیا کریں۔

اگر یہ دلیل صحیح مان لی جائے تو پھر یہ بات مطلق سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ اشتراکیت کا پرچار کیوں کیا جائے اور معاشی مصائب یا اقتصادی پستی کو دور کرنے کی کیوں کوشش کی جائے کیونکہ اس دلیل کی بنا پر معاشی بدحالی و اقتصادی مشکلات کو دنیا کی سب سے بڑی تہذیبی قوت تسلیم کرنا ہوگا۔ اگر عربوں کا افلاس انکی فاقہ کشی اور ان کے معاشی مصائب ہی ان کی تمام اولوالعزمیوں، فتح مندیوں اور اصلاحی کوششوں کا باعث تھے تو پھر ماننا پڑے گا کہ دنیا میں معاشی زبوں حالی اور افلاس و تنگی سے زیادہ مبارک و خوش انجام کوئی اور حالت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس نے چھٹی صدی عیسوی میں وہ انقلاب عظیم پیدا کیا جس کے نتیجہ میں مغربی ایشیا کی مظلوم قوموں کو ان کے ظالم حکمرانوں سے رہائی ملی اور عربوں کے اندر وہ سائنٹفک اسپرٹ پیدا ہوئی جس کے اثر نے یورپ کو وحشت و بربریت سے نکال کر ہادی ترقی کے راستہ پر گامزن کیا۔ محض معاشی پستی اور افلاس سے اگر یہ اعلیٰ نتائج حاصل ہو سکتے ہیں تو اسے مٹانے اور فنا کرنے کے بجائے اس کا قائم رکھنا زندگی کی اہم ترین

ضرورت ہے۔ تاریخ پر ایک آنکھ سے نگاہ ڈالنا اور اس میں سے صرف من مانی باتوں کو چن لینا اسی قسم کی تضاد بیانی کا موجب ہوا کرتا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ عربوں کی فتوحات اور ان کے انقلاب آفرین اقدامات میں جہاں معاشی اثرات دخیل تھے وہیں دوسرے زیادہ طاقتور عناصر بھی کام کر رہے تھے۔ اگر اسلامی تحریک نے عربوں کو ایک نصب العین اور ایک مقصد پر متحد نہ کر دیا ہوتا اور انہیں ایک عالمگیر تخیل سے روشناس نہ کیا ہوتا تو محض معاشی اسباب کی بناء پر عربوں سے وہ نتائج ظہور میں نہ آتے جن کے لئے آج بھی دنیا ان کی زیر بار احسان ہے۔

پھر اشتراکی یہ بھی نہیں بتاتے کہ پیغمبر اسلام کے ظہور کے وقت عربوں کے معاشی نظام میں کیا تغیرات واقع ہو رہے تھے اور طریق پیداوار کی وہ کونسی تبدیلیاں تھیں جنہوں نے اس اخلاقی اور مذہبی انقلاب کا روپ بھرا؟ اور نہ وہ اس سوال کا کوئی جواب دے سکتے ہیں کہ یہ اسلامی تحریک کس نئے طبقہ کو میدان میں لائی اور اس نے کن قدیم طبقوں کو مٹایا؟ ہم بتا چکے ہیں کہ اشتراکی فلسفہ کی رو سے طریق پیداوار کی تبدیلیاں اور معاشی نظام کے انقلاب انگیز تقاضے ہی دنیا کے بڑے بڑے سیاسی و مذہبی انقلابات کا باعث ہوتے ہیں۔ اس فلسفہ کی روشنی میں اوپر کے سوالات کا اطمینان بخش جواب دینا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ سب سے اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مذہبی انقلاب کس نئے معاشی نظام کو وجود میں لایا؟ غلامی کا نظام تو عربوں میں پہلے ہی موجود تھا۔ اشتراکیت کے بتائے ہوئے سلسلہ ارتقاء کے لحاظ سے تو اس انقلاب کے بعد جاگیرداری نظام کو ان ملکوں سے بھی مٹا دینا جہاں وہ قائم تھا۔ پھر کیا اسلام نظام سرمایہ داری کے قیام کا باعث ہوا یا وہ اشتراکی نظام کے لئے راستہ صاف کرنے آیا تھا؟

بعض اشتراکی حضرات آخری تاویل کو قبول کرتے ہیں یعنی اسلامی نظام اشتراکیت کا پیش خیمہ تھا لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ معاشی ارتقاء کے درمیانی مدارج بیچ سے غائب ہی ہو جائیں اور اچانک ارتقاء کی آخری منزل کا پیش خیمہ نمودار ہو جائے۔